اقبال اور بنگال

ڈاکٹر وفا راشدی

"اقبال کی عالمگیر شہرت سے مجھے یقین ہوتا ہے کہ ان میں جاودانی علم وادب کی عظمت ہے۔ سر محمد اقبال اور میں ادب میں صداقت اور حسن کی خاطر کام کرنے والے دو دوست ہیں اور اس جگہ آکر ایک ہو جاتے ہیں جہاں انسانی فکر اپنا بہترین ہدیہ "جاودانی انسان" کے حضور میں پیش کرتا ہے۔[1]

(رابندر ناتھ ٹیگور)

علامہ اقبال بھی ٹیگور کے مداح تھے۔ ٹیگور کی شخصیت، اور شاعری دونوں سے متاثر تھے۔ میاں بشیر احمد ایڈیٹر "ہمایوں" لاہور اپنے مضمون بعنوان "اقبال کی یاد میں" ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"ایک روز میں نے (اقبال سے) ٹیگور کا ذکر کیا تو فرمایا کہ دیکھو ٹیگور عملی آدمی ہے اور اس کی شاعری امن و خاموشی کا پیغام دیتی ہے ادھر میری شاعری میں جدوجہد کا ذکر ہے لیکن میں عملی آدمی نہیں ہوں۔[2]"

علامہ اقبال کے اس آخری فقرے سے ——— "میں عملی آدمی نہیں ہوں" عجز و انکسار کا پہلو تو نکلتا ہے لیکن ان کی اس بات سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شاعر پیغامبر ہوتا ہے اور پیغامبر کا پیغام اس وقت تک بے اثر و بے کیف رہتا ہے جب تک خود اس کی اپنی زندگی پر عمل کا پرتو موجود نہ ہو۔ اقبال کی عظمت اس بات میں مضمر ہے کہ وہ پہلے ایک باعمل شخص ہیں اور بعد میں شاعر۔ ان کا کلام قرآن و

حدیث کی تفسیر ہے ۔ ان کا دل ضیائے توحید اور انوارِ محمدی سے منور تھا ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ فکر و عمل سے عبارت ہے ۔ وہ زندگی جو انسانی قدروں سے بھرپور اور سادگی و زہد و تقویٰ کی پاکیزگی سے معمور تھی ۔ علامہ کا نظریۂ حیات اس نظم سے واضح ہے جو انھوں نے سر عبدالقادر کے نام لکھی تھی ۔ ان کی آرزووں اور عملی زندگی کے پیغام کے نقوش ان اشعار میں دیکھئے ۔

اہلِ محفل کو دکھا دیں اثرِ صیقلِ عشق
سنگِ امروز کو آئینۂ فردا کر دیں
اس چمن کو سبق آئینِ نمو کا دے کر
قطرۂ شبنمِ بے مایہ کو دریا کر دیں

بنگال کے عظیم شاعر انقلاب قاضی نذرالاسلام بھی علامہ اقبال کے بے حد معترف تھے ۔ اقبال کے مقام اور ان کی شہرت سے باخبر تھے ۔ افکارِ اقبال کا مطالعہ کرتے رہتے تھے نذرالاسلام "شکوہ جوابِ شکوہ" کے بنگالا ترجمے کو اصل کے ساتھ پڑھنے کے بعد اس مترجم محمد سلطان کے نام اپنے ایک مکتوب محررہ ۱۹۴۶ء میں رقم طراز ہیں :

"شکوہ جواب شکوہ" ہندوستان کے عظیم شاعر اقبال کی بے نظیر تخلیق ہے ہندوستان کے اردو دانوں کی زبان پر آج کل اقبال ہی کا چرچا ہے ۔"

(قاضی نذرالاسلام)

ٹیگور اور نذرالاسلام جیسی عظیم المرتبت ہستیوں کی مندرجہ بالا آرا کی روشنی میں یہ حقیقت پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ شروع سے اہلِ مشرق کے دلوں میں شاعرِ مشرق علامہ اقبال کی بے پناہ قدر و منزلت پائی جاتی ہے ۔ بنگال کے اربابِ علم و ادب ، اہلِ فکر و دانش اقبال سے ذہنی طور پر بہت قریب رہے ہیں ۔ اقبال شناسی اور اقبال نوازی کا اندازہ بنگال کے مشہور و معروف شاعر علامہ رضا علی وحشت کلکتوی کے اس قسم کے خیالات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے ۔

اگر بنگالہ قدرِ من نمی داند چہ غم وحشت
صدائے می دہد از گوشۂ پنجاب اقبالم

گرچہ وہ ہمیشہ اپنے ہم وطن اہلِ بنگال کی ناقدری اور وحشت ناشناسی کے شکوہ سنج رہے ۔

اقبال اور بیگال

خیال تک نہ کیا اہلِ انجمن نے کبھی
تمام رات جلی شمعِ انجمن کے لیے

یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب لاہور سے سر عبدالقادر کے زیرِ ادارت ماہنامہ مخزن شائع ہوا کرتا تھا۔ اس کے قلمی معاونین میں متحدہ ہندوستان کے صفِ اول کے اہلِ قلم کے علاوہ پنجاب سے اقبال اور بیگال سے وحشت کی نگارشاتِ لطیف نمایاں طور پر شائع ہوتی تھیں۔ سر عبدالقادر اور اقبال کے کیا تعلقات تھے، اس کا علم ساری ادبی دنیا کو ہے اس کی زندہ شہادت بانگِ درا کے دیباچہ سے بھی ملتی ہے۔ لیکن اقبال اور وحشت کے کیا مراسم تھے، اس کا حال مخزن کی قدیم جلدوں کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ سر عبدالقادر ایک مصرع طرح تجویز فرماتے اس پر اقبال اور وحشت کی ہم طرح غزلیں ایک صفحے پر مخزن کی زینت بنتیں۔ ۱۹۱۰ء میں جب وحشت کا دیوان منظرِ عام پر آیا تو علامہ اقبال نے اپنے بیش بہا خیالات کا اظہار وحشت کے نام اپنے ایک مکتوبِ گرامی میں ان الفاظ میں فرمایا :

"میں ایک عرصے سے آپ کے کلام کو شوق سے پڑھتا ہوں اور آپ کا غائبانہ مداح ہوں۔ دیوان تقریباً سب کا سب پڑھا اور خوب لطف اٹھایا۔ ماشاءاللہ آپ کی طبیعت نہایت تیز ہے اور فی زمانہ بہت کم لوگ ایسا کہہ سکتے ہیں۔ آپ کی مضمون آفرینی اور ترکیبوں کی چستی خاص طور پر قابلِ داد ہے۔ فارسی کلام بھی آپ کی طباعی کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ شعر کا بڑا خاصہ یہ ہے کہ ایک مستقل اثر پڑھنے والے کے دل پر چھوڑ جائے۔ سو یہ بات آپ کے کلام میں بدرجہ اتم موجود ہے۔"

یہ وہ دور تھا جب داغ دہلوی اور امیر مینائی کا طوطی بول رہا تھا۔ یہ اُن کا آخری دور تھا۔ محمد حسین آزاد کے طرزِ جدید کی شاعری کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ سر سید احمد خاں کی تحریر و تقریر نے مسلمانوں میں احساسِ حریت اور جذبہ قومیت کی روح پھونک دی تھی۔ مولانا حالی کے مسدس "مدوجزرِ اسلام" نے اردو شاعری کا رُخ پھیر دیا تھا۔ سیاسی و سماجی مسائل مغربی تہذیب و تعلیم پر اکبر الٰہ آبادی کی کھلی تنقید اور شعریت و رنگینی کے ساتھ طنز و مزاح کے تیر و نشتر نے مغرب زدہ افراد کے دلوں کو گھائل کر رکھا تھا۔ اس سلسلے کی آخری کڑی "ہمالہ" اور "صدائے درد" کے خالق علامہ اقبال کے اعجازِ شعر ہے

جل رہا ہوں کل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے
کی پیہم لہریں بساطِ کائنات پر ابھر رہی تھیں ؎

سونے والوں کو جگا دے شعر کے اعجاز سے
خرمنِ باطل جلا دے شعلۂ آواز سے

یہ وہ زمانہ تھا جب متحدہ ہندوستان ایک ایسے بحرانی و انقلابی دور سے گزر رہا تھا کہ ایثار و قربانی کے بغیر برطانوی سامراج کا خاتمہ ممکن نہ تھا جہاں پنجاب میں اقبال کی یہ آواز بلند ہوئی ؎

ہو بہلا آج اپنے زخمِ پنہاں کر کے چھوڑوں گا
لہو رو رو کے محفل کو گلستاں کر کے چھوڑوں گا

وہاں سرزمین بنگال میں وحشت نے اہل وطن کو جوشِ طلب سے اس طرح آگاہ کیا ؎

بہارِ گل متقاضی ہے خونِ بلبل کی
کہ یہ بھی چاہیے رنگینیِ چمن کے لیے

اور ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء میں جب شاعرِ مشرق، ملت اسلامیہ کے نوحہ خواں اور مصورِ پاکستان علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو علامہ وحشت نے اس سانحۂ عظیم اور قومی المیہ کے موقع پر جو نوحہ لکھا اس کے چند اشعار یہ ہیں ؎

یہ نہ کہہ اک شاعرِ ہندوستاں جاتا رہا
پیشوائے نکتہ سنجانِ جہاں جاتا رہا
باعثِ ماتم زمانے کو ہے موت اقبال کی
کاروان رویا کہ میرِ کارواں جاتا رہا
اب زبانِ خامہ پر پڑ گئی مہرِ سکوت
وحشتِ رنگیں بیاں کا قدرداں جاتا رہا[۵]

شاعرِ ملت علامہ اقبال شاعرِ مشرق ہی نہیں شاعرِ عالم بھی ہیں۔ دنیا کے بعض ادبیات پر عموماً اور برصغیر کے علاقائی ادب پر خصوصاً افکارِ اقبال کے اثرات بہت گہرے ہیں۔ اسی طرح بنگلا ادب نے اقبال کے علوم و فنون اور افکار و معارف کا اثر اس حد تک قبول کیا کہ بنگلا ادب کی ترویج و ترقی میں بھی بالواسطہ یا بلا واسطہ اقبال کا خاصا حصہ نظر آتا ہے۔

ایک وہ زمانہ تھا کہ ارباب علم خواہ کسی مقام یا کسی علاقے سے تعلق رکھتے ہوں ان کی مادری یا علاقائی زبان کوئی بھی ہو اپنے ہاں کے شعر وادب کو فروغ دینے کی غرض سے اردو اور فارسی زبان زبان وادب سے مکمل واقفیت رکھتے تھے۔ یہی حال بنگلا کے ادباء و شعراء کا تھا کہ اس نیک مقصد کے پیش نظر انھوں نے اردو اور فارسی سے پوری پوری واقفیت حاصل کی۔ یہ ایک ایسا مستحسن جذبہ تھا جس کے تحت بنگال کے اہل علم واہل ادب نے اقبال کی زندگی شخصیت و شاعری کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اور اس حد تک استفادہ کیا کہ انھوں نے بڑی خوش اسلوبی و کامیابی سے اقبال کے افکار جمیل اور ارشادات عالیہ کو بنگلا کے قالب میں ڈھالا۔ اقبال کی نہ صرف اردو بلکہ فارسی نظم و نثر بنگلا زبان میں ترجمہ ہو کر اس زبان وادب کا ایک حصہ بن چکی ہے۔ "بنگلا ادب کی تاریخ" میں ایک جگہ تحریر ہے:

"اس دور میں بنگالی شاعری پر اردو شاعری اثر انداز ہو رہی ہے بنگالی مسلمانوں نے فقط آورشش کی خاطر مختلف اردو نظموں کا ترجمہ کیا ہے اور اس سے متاثر ہو کر نئے طریقے سے نئی نظمیں لکھنے کی کوشش کی ہے"

یہ بات بڑی حیرت انگیز ہے کہ اقبال کو سب سے پہلے ایک غیر مسلم دانشور ڈاکٹر جگیر ورتی نے بنگال کے اہل علم طبقے سے متعارف کرایا۔ ڈاکٹر جگیر ورتی پہلے کلکتہ یونیورسٹی میں پروفیسر تھے۔ بعد میں رابندر ناتھ ٹیگور کے پرسنل سیکرٹری ہو گئے تھے۔ ان کو اقبال سے والہانہ محبت اور غیر معمولی عقیدت تھی۔ یہ اعلیٰ ظرف کے انسان تھے ان میں ذات پات رنگ نسل کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ وہ علم کی اہمیت جانتے تھے اور اہل علم کی دل کھول کر قدر کرتے تھے۔ جگیر ورتی نے اقبال کی صحبتوں اور ان کے فکر و فلسفہ سے براہ راست فیض حاصل کیا جگیر ورتی نے سب سے پہلے بنگلا زبان میں اقبال کی مشہور نظم "ترانہ ملی" کا ترجمہ کیا جس کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے۔

چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

یہ ترجمہ ۱۹۱۲ء میں کلکتے کے ایک معیاری ماہنامہ "الاسلام" میں شائع ہوا۔ اس کے بعد انھوں نے متعدد نظموں کو بنگلا زبان میں پیش کیا۔ جن میں "ہمالہ" اور بچوں کے

گیت وغیرہ مشہور ہیں۔ جب یہ نظمیں بنگال کے مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہوئیں تو کیا ہندو کیا مسلمان، ہر مدرسۂ فکر و ہر مکتبِ خیال کے لوگوں میں بے حد مقبول ہوئیں بنگال کی فضاؤں میں ایک نئی آواز گونجی۔ اس آواز نے پڑھے لکھے نوجوان طبقے کو خاص طور پر متوجہ کیا چکرورتی نے نہ صرف اقبال کی نظموں کے نہایت عمدہ ترجمے کیے بلکہ ان پر کئی مضامین بھی لکھے اس کے بعد بنگال کے لوگوں نے اقبال کو پڑھنا شروع کیا۔ جن اہلِ قلم نے اقبال کے کلام اور ان کے افکارِ لطیف کو اپنی صلاحیتوں سے بنگلا زبان میں سمویا ان میں اشرف علی خاں، پروفیسر قاضی اکبر حسین، پروفیسر امین الدین، کوی غلام مصطفٰے، محمد سلطان، میزان الرحمٰن، ڈاکٹر محمد شہید اللہ، مولوی تمیز الدین، محمد علی اعظم، منیر الدین یوسف، ابو الفضل سید علی، پروفیسر آدم الدین احمد، حبیب اللہ بہار، منصور الدین چودھری، ابو نعیم الرشید وغیرہ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے تمام ترجمے کامیاب ہیں لیکن اکثر ترجمے ایسے ہیں کہ ان میں اقبال کے خیالات، احساسات اور بلندیٔ فکر کی روح کارفرما ہے۔ ان تراجم کے ذریعے اہلِ بنگال کو اقبال کے پیغامات، تعلیمات، نظریۂ فکر و فن کو سمجھنے میں مدد ملی۔ بنگلا کے اربابِ ذوق اردو نظم بالخصوص اقبال کی شاعری سے روشناس ہوئے۔ بنگلا ادب میں اسلامی افکار، دینی میلانات اور نئے اندازِ فکر کے امکانات زیادہ روشن ہو گئے۔

۱۹۲۸ء میں اے ایچ کلیم اللہ نے "شکوہ، جواب شکوہ" کا بنگلا ترجمہ کیا جو ان کی زندگی میں پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا لیکن ان کی وفات کے بعد "بنگلا مسلمان ساہتیہ سمیتی" کے ترجمان رسالہ "ساہتک" میں اشاعت پذیر ہوا۔

روزنامہ "سلطان" کے ایڈیٹر اشرف علی خاں ممتاز ترقی پسند شاعر تھے۔ عربی اور فارسی پر عبور رکھتے تھے۔ اردو زبان پر بھی دسترس تھی۔ اشرف علی خاں نے اقبال کی نظم و نثر کی تمام کتابوں کا باقاعدہ مطالعہ کیا۔ وہ اقبال سے بہت متاثر تھے۔ ان کے نظریات و خیالات کے دل و جان سے حامی تھے۔ وہ قوم میں اسلام کی روح پھونکنے کیلئے بے چین رہتے تھے۔ مطالعۂ اقبال نے ان کے دل و دماغ پر بڑا اثر کیا۔ انھوں نے بڑی عقیدت اور لگن کے ساتھ شکوہ جواب شکوہ کا مکمل ترجمہ کیا۔ چونکہ وہ خود بھی بلند پایہ شاعر تھے۔ اس لیے انھوں نے ترجمہ اس انداز سے کیا جیسے وہ منظوم ترجمہ نہیں خود ان کی تخلیق ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ترجمہ پڑھتے وقت اصل کا گمان ہوتا ہے۔ پہلے یہ نظم ایک بنگلا رسالے میں بالاقساط چھپی

پھر اشرف علی کے زیر اہتمام بہ کتابی صورت میں شائع ہوئی۔ وہ بڑا تیز طبع شاعر تھا اس نظم کے ترجمہ کرنے کی وجہ خود اس کے الفاظ میں یہ تھی۔

"میں نے شکوہ کا ترجمہ اس لیے کیا ہے کہ اس میں میرے دل کی بے قراریوں کی جھلک ملتی ہے۔"

اقبال کی جس نظم کا سب سے زیادہ ترجمہ بنگالی میں ہوا وہ "شکوہ" ہے۔ "شکوہ" کے دوسرے مترجمین میں ڈاکٹر محمد شہید اللہ کا ترجمہ علمی و ادبی اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ڈاکٹر شہید اللہ، مولانا الطاف حسین حالی اور علامہ اقبال سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔ انھوں نے جہاں مسدس کا ترجمہ کر کے اہلِ بنگال سے حالی کو روشناس کرایا وہاں اقبال کی نظموں کو بنگلا کا روپ دے کر بنگلا ادب کو مالامال کیا۔ ڈاکٹر شہید اللہ نے اقبال کی دوسری نظموں کے علاوہ "شکوہ" کا بھی ترجمہ کیا جو ۱۹۴۰ء میں شائع ہوا۔ یہ ترجمہ سادے الفاظ میں کیا گیا۔ لب و لہجہ پر مخصوص انداز کی چھاپ ہے یہی وجہ ہے کہ اس میں وہ لطافت اور وہ دلکشی نہیں رہی جو اصل نظم کا طرۂ امتیاز ہے۔ علمی اعتبار سے یہ قابلِ قدر ضرور ہے لیکن شعریت کے اعتبار اس کا پھیکا پن اقبال کے معیار کے برعکس ہے۔ اس ترجمہ سے متعلق بنگالی نقادوں کی آراء میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر شہید اللہ نے اقبال کے فکر و فن اور تعلیم و فلسفہ کے بارے میں متعدد خیالات بھی قلم بند کیے، تمام مقالات "اقبال" کے عنوان سے کتابی شکل میں منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ یہاں یہ امر بھی خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ ڈاکٹر شہید اللہ ایک نامور ماہر لسانیات تھے نہ صرف بنگلا زبان بلکہ عربی، فارسی، انگریزی، اردو، سنسکرت، ہندی زبانوں سے بھی آشنا تھے۔ بنگال میں ان کے پائے کا کوئی محقق و نقاد نہیں گزرا۔

محمد سلطان مدرسہ عالیہ کلکتہ میں بنگلا ادب کے استاد تھے۔ اہل نقد و نظر نے شکوہ، جواب شکوہ، کے تمام ترجموں میں محمد سلطان کے ترجمے کو متفقہ طور پر بلند معیار قرار دیا ہے۔ یہ ترجمہ ۱۹۴۶ء میں چھپا۔ اس ترجمے کے بارے میں قاضی نذرالاسلام کی رائے آپ اس مقالے کے شروع میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

اقبالیات کے اولین مترجمین میں پروفیسر اکرم حسین قابلِ ذکر ہیں۔ انھوں نے "شکوہ" کے علاوہ "بانگِ درا" کی بعض نظموں مثلاً "ہمالہ"، "ایک آرزو"، "نیا شوالہ" وغیرہ کے ترجمے کیے۔ ان کے ترجموں میں بعض خامیاں ہیں لیکن چونکہ یہ ابتدائی کوششوں کا نتیجہ تھا اس لیے

ان کی کوششوں کو مستحسن اقدام سمجھنا چاہیئے۔ ان کے تمام تراجم "پوتھیر بانش" (راہ کی بانسری) کے نام سے مجموعے کی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔

پروفیسر قاضی اکرام حسین کے ہم عصر شعراء میں پروفیسر انیس الدین نے بھی اقبال پر کام کیا انھوں نے شکوہ جواب شکوہ کو بنگلا روپ دینے کے علاوہ بانگ درا، بال جبریل، ضرب کلیم اور پیام مشرق کی اکثر نظموں کو بھی بنگلا نظم و نثر میں پیش کیا۔ ان کی یہ کاوشیں مولانا اکرم خان کے مشہور ماہنامہ "محمدی" اور دیگر رسائل کے ذریعے قارئین سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں ان کے علاوہ جن اہل قلم نے شکوہ جواب شکوہ کا ترجمہ کیا ان میں مولوی تمیز الدین، محمد علی اعظم منیر الدین یوسف، اے ایچ کلیم اللہ اور ابو الفضل سید وغیرہ کے نام فراموش نہیں کیے جا سکتے۔

کوی غلام مصطفےٰ نہ صرف اقبال کے ارادت مند تھے بلکہ ان سے ذہنی طور پر بھی بہت قریب تھے۔ غلام مصطفےٰ شروع سے مسلمانوں کے تاریخی کارناموں سے دلچسپی رکھتے تھے۔ نظریۂ پاکستان سے متعلق ان کی قومی شاعری نے اہل بنگال کے ذہن کو حب الوطنی کے جذبے سے سرشار کیا۔ غلام مصطفےٰ نے اقبال کی جن تخلیقات کو خوبی سے بنگلا زبان کے قالب میں ڈھالا ان میں بانگ درا کی بعض نظمیں مشہور ہیں مثلاً شکوہ جواب شکوہ، طلوع اسلام شمع و شاعر وغیرہ یہ نظمیں پہلے بنگلا ماہنامے پوربی اور محمدی میں چھپتی رہیں اور قارئین کی توجہ کا مرکز بنتی رہیں پھر ۱۹۴۰ء میں "کلام اقبال" کے نام سے کتابی شکل میں مجتمع ہو کر ڈھاکہ سے شائع ہوئی غلام مصطفےٰ نے ۱۹۳۹ء سے اقبالیات پر کام شروع کیا اور یہ سلسلہ ان کی وفات تک جاری رہا۔ انھوں نے اقبال کے محاسن شاعری اور افکار عالیہ کے پیغامات و تعلیمات کے بہت سے پہلوؤں پر نہایت عالمانہ انداز میں بحث کی۔ جس موضوع پر قلم اٹھایا اس کا حق ادا کر دیا۔

میزان الرحمٰن بنگلا کے ان معروف اہل قلم میں سے ہیں جنھیں اردو اور بنگلا دونوں ہی عزیز ہیں۔ تقسیم ہند سے قبل وہ انجمن ترقی اردو کلکتہ کے سیکرٹری تھے۔ اقبال کے خاص شیدائیوں میں سے تھے۔ انھوں نے اقبال کی زندگی، فن اور پیغام کا گہرا مطالعہ کیا۔ اقبال کو بنگلا کے عوام و خواص میں متعارف کرانے کے سلسلہ میں ان کا لائق تحسین کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف شکوہ، جواب شکوہ، ضرب کلیم اور بال جبریل کی متعدد نظموں کو بنگلا ادب میں پیش کیا بلکہ اقبال کی حیات، شخصیت، فلسفہ، تعلیم سے متعلق بھی ایک تحقیقی و تنقیدی کتاب

اقبال اور بنگال

تصنیف کی جو [illegible] "پورتھیر پیغام" (پیام راہ) کے نام سے چھپی۔ تحریک پاکستان کے زمانے میں "ترانہ" کا ترجمہ محمد نبی کلکتہ سے شائع ہوا تو پورے بنگال میں دھوم مچ گئی۔ مسلم نوجوان یہ نظم جلسوں، جلوسوں میں بڑے جوش و خروش کے ساتھ پڑھنے لگے۔ اس نظم کے سبب اقبال کا نام اور پیغام بنگال کے گوشے گوشے میں پہنچ گیا۔

اقبال اور افکار اقبال سے متعلق میزان الرحمٰن کے اکثر ترجمے اور تحریریں ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۷ء تک کلکتہ کے کثیر الاشاعت رسائل و اخبارات میں شائع ہوتی رہیں اور انگریزی اخبار "مارننگ نیوز" کے اسپیشل ایڈیشن میں بھی چھپیں۔ اس وقت مارننگ نیوز کے ایڈیٹر عبدالرحمٰن صدیقی تھے جو قائداعظم کے خاص رفقاء میں سے تھے وہ تحریک آزادی کے نہایت لائق اور سرگرم رہنما تھے۔ ان کے قلم کی ساری قوت حصول آزادی کی جدوجہد میں صرف ہوئی۔ قیام پاکستان کے بعد عبدالرحمٰن صدیقی مشرقی پاکستان کے گورنر کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ ۱۹۶۰ء میں [illegible] "اقبالیکا" (اقبالیات) کے نام سے ایک اور کتاب پبلش کی گئی، جس میں شکوہ، جواب شکوہ کو نظر ثانی کے بعد ترامیم و اضافہ کے ساتھ شائع کیا گیا۔ ان کے علاوہ بانگ درا کی بیشتر نظموں کے تراجم منظر عام پر آئے۔ اسی سال انھوں نے بال جبریل کے حصہ غزل کو چھوڑ کر اس کی تمام نظموں کا مکمل ترجمہ کیا۔ ان کے ترجمے اور مقالے ایک عرصہ تک "کلام اقبال" کے زیر عنوان بنگلا ماہ نو ڈھاکہ میں بالاقساط چھپتے رہے۔ سابق مشرقی پاکستان کے دیگر رسائل نے بھی ان کے تراجم نمایاں طور پر شائع کیے۔

ایس واجد علی بار ایٹ لاء بنگالی ادب میں ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ ان کو اقبال سے اس قدر عقیدت و محبت تھی کہ انھوں نے اپنے اخبار "گلستان" کے ایک حصے کو اقبالیات کے لیے مخصوص و مختص کر دیا تھا۔ اس حصے میں اقبال کے بارے میں مضامین نظم و نثر شائع کیے جاتے تھے۔ اسی طرح اقبال کی شاعری اور شخصیت کے کئی پہلو زیر بحث آئے اور معارف اقبال کو سمجھنے میں مدد ملی۔ اقبال پر واجد علی کی نگارشات نظم و نثر [illegible] اقبالیر پیغام (پیغام اقبال) کے نام سے کتابی شکل میں طبع ہو کر بہت مقبول ہوئیں۔ اس سلسلے میں ابوالفضل سید علی کا نام بھی قابل ذکر ہے۔ جنھوں نے "شکوہ" کا ترجمہ "شکایت" کے عنوان سے کیا۔

"بنگلا ادب کی تاریخ" (مطبوعہ ڈھاکا یونیورسٹی) کے مؤلف پروفیسر سید علی احسن بنگلا

زبان کے مقتدر شاعر اور معتبر نقاد ہیں۔ انھوں نے اقبال پر بھی بڑا مفید کام کیا ہے اس اعتبار سے انھوں نے ادب کے ساتھ ساتھ ملک و قوم کی بڑی گراں قدر خدمات انجام دیں شکوہ جواب شکوہ کے علاوہ "اسرارِ خودی" کا منظوم ترجمہ بے حد مقبول ہوا۔ اسے بنگلا ادب کے بڑے بڑے نقادوں نے سراہا جن میں مولانا اکرم خاں، رابندر ناتھ ٹیگور، قاضی نذرالاسلام اور بنئو دھن چکرورتی جیسے عظیم ناقدین اور دانشور شامل ہیں۔ مولانا اکرم خاں نے "اسرارِ خودی" کے ترجمے کو "محمدی" میں قسط وار شائع کیا۔ سید علی احسن نے "بانگِ درا" کی متعدد نظموں کے نہایت عمدہ ترجمے کیے۔ انھوں نے [illegible] "اقبالیہ کویتا" (اقبال کی نظمیں) کے نام سے ایک کتاب مرتب کر کے شائع کی۔ یہ کتاب زیادہ تر "بانگِ درا" کی نظموں کے تراجم پر مشتمل ہے۔

ڈھاکہ ریڈیو سے اقبال کی نظموں کے تراجم عموماً فرخ احمد کے ہی نشر ہوتے تھے۔ ان کے تراجم میں شکوہ جواب شکوہ، بانگِ درا اور اسرارِ خودی کے منظوم ترجمے زیادہ مشہور ہوئے۔ ان کے علاوہ قاضی عبدالحق نے "ہمالہ، نیا شوالہ" کو بنگلا سانچے میں ڈھالا۔

اقبال کے فارسی کلام کا ذکر کیے بغیر تخلیقات اقبال کا تذکرہ مکمل نہیں ہو سکتا۔ یہاں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ جہاں اقبال کے اردو کلام، فلسفیانہ نظموں، قومی و ملی نغمات کو بنگلا ادب میں منتقل کیا گیا وہاں فارسی نگارشات کے ترجمے بھی کیے گئے۔ بعض فارسی کتابوں کے مکمل ترجمے بھی ہوئے۔ تقریباً تمام کتابوں کے اکثر حصے بنگلا میں منتقل ہو چکے ہیں۔

سید عبدالمنان نے اسرارِ خودی کا ترجمہ نثر میں بھی کیا، نظم میں بھی۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۴۵ء میں شائع ہوا۔ مزید ترمیم و اضافہ کے ساتھ ۱۹۵۰ء میں اقبال اکیڈمی ڈھاکہ کے اشتراک سے منظرِ عام پر آیا۔ حکومت پاکستان نے اس کتاب کے خوبصورت ترجمے پر عبدالمنان کو دو ہزار کے نقد انعام سے نوازا تھا۔ اسرارِ خودی کی چند نظموں کے ترجمے، جن کے مترجمین فرخ احمد اور علی احسن ہیں۔ ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئے۔ اسرارِ خودی کے دوسرے مترجمین میں عبدالحمید کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے اسرارِ خودی کا ترجمہ نذرالاسلام کی ایجاد کردہ دھن پر کیا۔ یہ ترجمہ بنگلا جریدہ "موازن" میں بالاقساط طبع ہوا۔

رموزِ بے خودی کے ترجمے قریشی اور کمال الدین احمد کی جدتِ طبع کے مظہر ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اقبال اکیڈمی کے تحت زیورِ اشاعت سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آ چکی ہیں ان

اقبال اور بنگال

کتابوں کے آغاز میں اقبال کے فلسفے تعلیم اور فارسی نگارشات پر بھی ناقدانہ بحث کی گئی ہے۔

علامہ اقبال نے "جاوید نامہ" کی تخلیق سے اپنے فرزند جاوید اقبال کو زندہ جاوید کر دیا۔ اہل بنگال ان سے اس وقت متعارف ہوئے جب چودھری عبدالحق نے جاوید نامہ کو بنگال کی ادبی دنیا میں پیش کیا۔

اقبال کی اردو فارسی نظم و نثر کی بے شمار منظومات اور کتابوں کو بنگلا میں منتقل کرنے کے علاوہ اقبال کے سوانح، شخصیت، سیرت، خدمات و کمالات سے متعلق بنگلا میں متعدد کتابیں بھی تصنیف و تالیف ہوئیں۔ درجنوں مقالات و مضامین سپرد قلم کیے گئے ۱۹۴۱ء میں محمد حبیب اللہ کی ایک کتاب اقبال کی شاعری اور فلسفے کے حوالے سے شائع ہوئی جسے ادبی حلقوں میں بے حد پسند کیا گیا۔ اقبال کی نظموں کے کئی بہترین انتخابات شائع ہوئے جن میں اقبالیہ کو نیاز منظومات اقبال کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی اس انتخاب کے مترجمین و مرتبین میں منیر الدین یوسف، فرخ احمد ابوالحسن، سید علی احسن کے نام فراموش نہیں کیے جاسکتے یہ انتخاب بانگِ درا، بالِ جبریل، ضربِ کلیم اور پیامِ مشرق کے تراجم پر مشتمل ہے۔

اقبال کی شعری کتابوں کے علاوہ نثری کتابوں کو بھی بنگلا زبان میں منتقل کیا گیا ہے۔ اقبال کی مشہور کتاب "دی کنسٹرکشن آف ریلیجس تھاٹ اِن اسلام" کا مکمل ترجمہ پہلے ماہنامہ "محمدی" میں قسطوں میں شائع ہوا۔ ابراہیم خاں اور سعید الرحمٰن نے اس کتاب کی ترتیب و تدوین کے فرائض انجام دیئے ۱۹۵۷ء میں ڈھاکہ میں ترجمہ و تالیف کے ایک نئے ادارے کی تشکیل ہوئی۔ مذکورہ کتاب کو سب سے پہلے شائع کرنے اور اہل بنگال سے روشناس کرانے کا شرف اسی ادارے کو حاصل ہے۔ اس ادارے کی مجلس ادارت کے اراکین کے نام یہ ہیں: کمال الدین احمد خاں، محمد مقصود علی، سعید الرحمٰن اور عبدالرحمٰن۔

۱۹۵۴ء میں ادارہ مطبوعات پاکستان ڈھاکہ نے سابق مشرقی پاکستان کے شعرائے کرام کی ملی و قومی نظموں کا ایک نہایت عمدہ اور مفید انتخاب شائع کیا۔ اس کے ایک حصے میں "حکیم الامت" کے زیر عنوان وہ نظمیں شامل ہیں جو علامہ اقبال سے والہانہ عقیدت و محبت کی مظہر ہیں۔ یہ دراصل کوی غلام مصطفےٰ، جسیم الدین، ابوالہاشم، بیگم صوفیہ کمال، احسن حبیب فرخ احمد، نعلیم حسین، انیل زنن داس، عبدالرشید خان، منظر الاسلام اور شاہدہ خانم جیسے

مشہور و معروف شعراء و شاعرات کے علامہ اقبال کی خدمت میں منظوم خراج عقیدت ہیں۔ ان منظومات کے مطالعے سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ سابق مشرقی پاکستان کے عوام اور ارباب علم و دانش علامہ اقبال سے کس درجہ قربت محسوس کرتے اور ان سے اپنائیت کا احساس رکھتے ہیں۔ انھیں اقبال کے فکر و فن سے خصوصی وابستگی ہے وہ علامہ کے اسلامی نظریات، آفاقی تصورات، دینی رجحانات اور افکار لطیف سے ذہنی و دینی طور پر ہم آہنگ ہیں۔

مسلم بنگال (سابق مشرقی پاکستان) میں اقبال کو ادبی حیثیت کے علاوہ سیاسی حیثیت سے بھی بڑی مقبولیت حاصل رہی۔ ۱۹۳۰ء میں الہ آباد خطبۂ صدارت کے بعد سے بنگال کے اہل سیاست و اہل بصیرت اقبال کو جاننے لگے تھے۔ سابق مشرقی پاکستان میں اقبال کی سیاسی بصیرت کو بھی اہمیت دی گئی اور ان کے سیاسی خیالات و نظریات کو اجاگر کرنے کی غرض سے کئی کتابیں لکھی گئیں جس میں حبیب اللہ بہار کی "کوی اقبال (شاعر اقبال)، منور الدین چودھری کی "جلوہ" ابو نعیم بدل الرشید کی "مہاکوی اقبال" (شاعر اعظم اقبال) مع دیباچہ سید علی حسن بڑی اہم تصانیف ہیں۔ ان کتابوں میں اقبال کے ارشادات، سیاسی تدبر، تحریک پاکستان میں ان کا کردار اور اقبال کے حوالے سے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان کتابوں نے بھی اردو و انگریزی کتابوں کی طرح مشرقی و مغربی بنگال میں انقلاب کی روح پھونک دی۔

اقبال کے عقیدت مندوں میں صرف مرد قلمکار ہی نہیں، خواتین شاعرات اور اہل علم بھی ہیں۔ جن خواتین نے اقبال کے حوالے سے نظم و نثر میں اپنے منظوم و منثور تاثرات و خیالات کا اظہار کیا ان میں بیگم صوفیہ کمال، بیگم شمس النہار محمود، رقیہ انور، بیگم فضل الرحمن شاہدہ خانم اور بیگم حبیب اللہ بہار قابل ذکر ہیں۔ بنگال کی ادبی انجمنوں، قومی اداروں مثلاً مجلس تمدن، اقبال اکیڈمی، بنگلا اکیڈمی، ادارہ مطبوعات پاکستان، ڈھاکہ یونیورسٹی، راجشاہی یونیورسٹی نے بھی اقبال کو متعارف کرانے اور ان کے پیغام کی ترویج و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا جو تاریخ کا حصہ بن چکا ہے جس کے نقوش وقت کے ساتھ ساتھ گہرے ہوتے جائیں گے۔ یہ وہ تاریخ ہے جسے جغرافیائی حدود تک محدود نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی یہ قومی سرمایہ رہتی دنیا تک کبھی تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

بنگلا زبان کے ذریعے اقبال اور تخلیقاتِ اقبال پر جس وسعت کے ساتھ اعلیٰ پیمانے پر کام ہوا اس کی بدولت اقبال کے وہ تمام افکار و خیالات بنگلا ادب کا حصہ بن چکے ہیں۔ اس حقیقت کی روشنی میں یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ ـــــ نہ صرف اردو فارسی ادبیات بلکہ بنگلا ادب کی ترویج و اشاعت میں بھی اقبال کا حصہ رہا ہے۔ تاریخ ادبیاتِ عالم علامہ اقبال کے اس عظیم احسان سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی جس کے توسط سے اسلامی اخوت، دینی مساوات اور عالم اسلام کی علمی و فکری وحدت و سلامتی کو تقویت پہنچی۔

کشمیر کی آزادی کا مسئلہ کشمیریوں کا ہی نہیں ہمیشہ سے عالم اسلام کا مسئلہ بھی رہا ہے۔ اس مسئلے پر برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے دل بھی ایک ساتھ دھڑکتے رہے ہیں جس زمانے میں پنجاب سے مولانا ظفر علی خاں اور علامہ اقبال کی آوازیں بلند ہوئیں۔

مولانا ظفر علی خاں

ہر طرف ہنگامہ پھر برپا ہے دار و گیر کا
ہو رہا ہے پھر ہرا، زخمِ کہن کشمیر کا
گونجتی ہے پھر فضا زنجیر کی جھنکار سے
شور جس میں دب رہا ہے نعرۂ تکبیر کا
ہے خطا اتنی کہ کیوں کرتے ہیں اپنا حق طلب
ہیں یہ ساری سختیاں خمیازہ اس تقصیر کا
ایک لے دے کر خدا باقی ہے جس کے عرش پر
حق ہے کچھ کشمیریوں کے نالۂ شبگیر کا

علامہ اقبال

آج وہ کشمیر ہے محکوم و مجبور و فقیر
کل جسے اہلِ نظر کہتے تھے ایرانِ صغیر
سینۂ افلاک سے اٹھتی ہے آہِ سوز ناک
مردِ حق ہوتا ہے جب مرعوبِ سلطان و امیر

اقبالیات

کہہ رہا ہے داستان بے دردیٔ ایام کی
کوہ کے دامن میں وہ غم خانۂ دہقانِ پیر
آہ یہ قوم نجیب و چرب دست و تر دماغ
ہے کہاں روزِ مکافات اے خدائے دیرگیر

یہ تاریخی حقیقت فراموش نہیں کی جا سکتی کہ علامہ اقبال کی تقلید میں بنگال کے متعدد شاعروں نے کشمیر سے متعلق نظمیں کہیں بالخصوص کوئی غلام مصطفےٰ (عاشقِ اقبال) کی نظمیں تو بہت مشہور ہوئیں ۔ ایسی ایک نظم کا ترجمہ نذرِ قارئین ہے ۔

کشمیر ہمارا ہے

عابدو، جان نثارو، سوئے کشمیر چلو
دل میں ایمان، ہاتھ میں تلوار لیے
سوئے کشمیر چلو
اللہ اکبر، اللہ اکبر کے نعروں سے
فضائے کشمیر گونج رہی ہے
مجاہدے جوانو ٹوٹ پڑو
بجلی بن کر، شعلہ بن کر
ہمت و شجاعت میں یکتا ہو تم
تاریخ میں ہے نام تمہارا
عابدو، جان نثارو، سوئے کشمیر چلو
کشمیر ہمارا ہے

تم مردِ مومن ہو، مردِ میدان ہو
جہاد تمہاری حیات ہے
جہاد تمہاری عبادت ہے
ایمان بڑی طاقت ہے
اللہ تمہارا نگہبان ہے
عابدو، جان نثارو، سوئے کشمیر چلو
کشمیر ہمارا ہے لے لو

اقبال اور بنگال

بنگال کے ممتاز شاعر کوی غلام مصطفےٰ کو علامہ اقبال سے والہانہ عشق تھا۔ انھوں نے اقبال کے کلام کے بیشتر حصوں کے ترجموں کے علاوہ ان کی مدح میں بہت سی نظمیں کہیں۔ علامہ اقبال کی خدمت میں کس والہانہ انداز سے "سلام عقیدت" پیش کیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے ؎

شاعروں کے سرتاج، عقل و خرد کی تصویر
علامہ اقبال
تم پاسبانِ مسلم، عالمِ اسلام کے رہنما ہو
سرحد پاک کے لیے تم ایک زندہ ہمالہ ہو
خاموش، سربلند، ناقابل تسخیر
اے عصرِ حاضر کی عظیم ہستی
قائدِ مسلم
آج اس مبارک موقع پر
میرا اسلام عقیدت قبول کرو
آج ہم آزادی کی مسرتوں سے ہمکنار ہیں
پاک سرزمین کے نگہبان ہیں
اللہ کی یہ بڑی نعمت
اقبال کی سعیِ پیہم کی بدولت ملی ہے
نعمت خداوندی اس کے برگزیدہ بندوں کے وسیلے سے ملی ہے۔
حق داروں کو اللہ اپنی رحمتوں سے نوازتا ہے۔
"شکوہ" کے جواب میں آج ملت اسلامیہ کی قسمت بدل چکی ہے
مسلسل جدوجہد سے ہم نے یہ مملکت خداداد حاصل کی ہے
اگر ہم ایک بار پھر متحدہ ہو جائیں تو
انشاء اللہ کشمیر جنت نظیر بھی لے کر رہیں گے
شاعرِ حیات، شاعرِ روحانیت
علامہ اقبال

اقبالیات

سلام عقیدت قبول کرو
تم ہمارے درمیان ہمیشہ زندہ و پائندہ رہو گے
(بنگلا نظم سے براہ راست

حواشی

۱۔ مکتوب بنام ڈاکٹر عباس علی خاں حیدرآباد دکن مورخہ ۹ فروری ۱۹۳۲ء
۲۔ ملفوظاتِ اقبال (ص ۲۷، ۲۸) مرتبہ محمود نظامی سیکرٹری حلقۂ نقد و نظر لاہور۔ ناشر نرائن دت سہگل اینڈ سنز لاہور۔ سن اشاعت کتاب میں کہیں درج نہیں۔
۳۔ یہاں بنگال سے میری مراد ۱۹۴۷ء میں تقسیم بنگال سے پہلے کا متحدہ مشرقی و مغربی اور ۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش معرضِ وجود میں آنے سے پہلے کا سابق مشرقی پاکستان ہے۔
۴۔ یہ مکتوب نذرالاسلام کے مجموعۂ مکاتیب (بنگلا) مطبوعہ بنگلا اکیڈمی ڈھاکہ میں شامل ہے۔
۵۔ ترانۂ وحشت حصہ "گراں قدر آرا" ص ۲۔ مطبوعہ مکتبہ جدید لاہور۔ پہلا ایڈیشن ۱۹۵۳ء
۶۔ پوری نظم کے لیے ملاحظہ ہو ترانۂ وحشت۔ ص ۱۷۔ نسخہ لاہور ۱۹۵۳ء
۷۔ بنگلا ادب کی تاریخ۔ اردو ترجمہ۔ پروفیسر عبدالرحمٰن بے خود۔ مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی ۱۹۵۷ء
۸۔ ان زبانوں میں ماہرانہ دسترس کی بنا پر ڈاکٹر شہیداللہ ایک عرصے تک ترقی اردو بورڈ کراچی کی تدوینِ لغت کی مجلسِ مشاورت کے رکن رہے۔
۹۔ روزنامہ محمدی کلکتہ کے ایڈیٹر و ناشر مشہور صحافی مولانا اکرم خاں تھے۔ اس اخبار نے مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کے تحفظ، فروغ اور تحریک پاکستان میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔

۱۱۔ ان اداروں کے زیرِ اہتمام ہر سال یومِ اقبال بڑی عقیدت سے منایا جاتا تھا۔ ان تقریبات میں پڑھے جانے والے مقالات، خطبات اور تقاریر کتابی صورت میں شائع ہوئیں۔ پاکستان ٹائمز، لاہور ۲۴ اکتوبر ۱۹۶۷ء کی اطلاع کے مطابق شہنشاہ ایران کے ڈھائی ہزار سالہ تاجپوشی کی تقریب سعید کے موقع پر جسٹس ایس ایم مرشد چیف جسٹس ڈھاکہ ہائی کورٹ نے مشرقی پاکستان کمیٹی آف ایران فرنڈز شپ سوسائٹی کی جانب سے ایرانین قونسل ڈھاکہ کو جو کتاب بطور تحفہ پیش کی تھی وہ "اقبال" سے متعلق تھی۔

Some English Books of Iqbal Academy

Gabriel's Wing
Dr. Annemarie Schimmel
Rs. 150.00

* * * * * *

Rumi's Impact on Iqbal's Religious Thought
Dr. Nazir Qaiser
Rs. 140.00

* * * * * *

Iqbal and his Contemporary Western Religious Thought
Dr. M. Maruf
Rs. 120.00

* * * * * *

Concept of Self and self - Identity (in Contemporary Philosophy)
Dr. Absar Ahmad
Rs. 125.00